احمد شلبی
مترجم: محمد حسین زبیری

قرونِ وسطیٰ میں اسلامی کتب خانے

قرونِ وسطیٰ میں بیشتر اسلامی کتب خانے نہ صرف زمانۂ حال کے کتب خانوں کے مقاصد پورے کرتے تھے بلکہ وہ تعلیمی ادارے بھی تھے۔ چنانچہ سب سے پہلی اکادمی "بیت الحکمت" کی بنیاد بھی کتابوں کے مجموعے سے ہی پڑی تھی۔ اسی لیے مؤرخین میں یہ اختلاف رہا کہ آیا اسے کتب خانہ کہیں یا مدرسہ تصور کریں۔ یہ ادارہ بعد کے اداروں کے لیے جو حکومت نے یا افراد نے قائم کیے ایک نمونہ بن گیا تھا۔

علی بن یحییٰ المنجم (۲۷۵ھ) کے عالی شان محل میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جسے خزانۃ الحکمت کہتے تھے اور وہاں مختلف مقامات سے بے شمار لوگ تحصیلِ علم کے لیے سفر کر کے آیا کرتے تھے۔ کتب خانے کے ایک حصہ میں طلبائے کے قیام کا بھی انتظام تھا اور انھیں طعام کی پیش کش بھی کی جاتی تھی۔ اس کتب خانے کا ایک مشہور طالب علم ابومعشر المنجم گزرا ہے جو خراسان سے مقاماتِ مقدسہ جاتے ہوئے یہاں ٹھیرا تھا جب وہ کتب خانے میں داخل ہوا تو وہ اس کی عظمت و شان دیکھ کر حیران رہ گیا اور اپنا سفرِ حج ملتوی کر کے وہیں مقیم ہو گیا اور اس دوران میں اس نے علم نجوم میں مہارتِ تامہ حاصل کر لی۔[1]

جعفر بن محمد بن حمدان موصلی (متوفی ۳۲۳ھ) نے اپنے شہر میں ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جس کے ساتھ ایک نہایت عمدہ کتب خانہ بھی ملحق تھا۔ اس میں ہر شخص کا داخلہ ہو سکتا تھا اور غریب طلبا کی مالی امداد بھی کی جاتی تھی۔ جعفر خود بھی ایک استاد تھا اور اپنی تصانیف بھی پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔[2]

المقدسی نے جہاں رامہرمز کا تذکرہ کیا ہے تو ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ وہاں ایک کتب خانہ بالکل

---

(۱) معجم الادبا (یاقوت) ج ۵ ص ۴۶۷ (۲) معجم الادبا (یاقوت) ج ۲ ص ۴۲۰

ایسا ہی تھا جیسا کہ بصرہ میں تھا۔ یہ دونوں کتب خانے ابوعلی بن سوار نے قائم کیے تھے اور وہاں طلباء کے کھانے کا انتظام بھی تھا۔ بصرہ کا کتب خانہ مقابلۃً بڑا تھا اور اس کی عمارت بھی بہتر تھی۔ چنانچہ طلباء اس طرف کھچے چلے آتے تھے تاکہ اس حیرت انگیز مجموعۂ کتب سے فائدہ اٹھائیں اور وہاں کے شیخ سے علم کلام کا درس لیں۔ ان شیخ کا تعلق فرقہ معتزلہ سے تھا۔[۱]

ابوالعلاء المعری اکثر خزانۃ سابور میں درس و تدریس کے لیے بیٹھا کرتے تھے اور وہاں کے بحث مباحثوں میں ابوالعلاء ہی نمایاں طور پر حصہ لیا کرتے تھے۔[۲]

کتابوں کی قدر شناسی :

عرب ہمیشہ کتابوں کا ذکر عزت و محبت کے ساتھ کرتے ہیں۔ وہ انھیں وفادار ساتھی اور قابل اطمینان رہنما تصور کرتے ہیں چنانچہ اگر آپ کسی عرب کو کتابوں کے متعلق باتیں کرتا ہوا دیکھیں تو آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ وہ یقیناً کسی شفیق بھائی یا دوست کا تذکرہ کر رہا ہے۔ کسی خلیفہ نے ایک عالم کو شام کے وقت بات چیت کرنے کے لیے بلا بھیجا۔ عالم موصوف چند حوالہ جات کے لیے کتابوں کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھے انھوں نے جواب میں کہلا بھیجا "میرے پاس اس وقت چند معاون و مددگار ندیموں کا مجمع ہے اور میں ان سے باتیں کر رہا ہوں۔ ذرا دیر میں حاضر ہوں گا۔" یہ جواب سن کر خلیفہ ایسا برہم ہوا کہ انھیں فوراً حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب خلیفہ نے ان سے سوال کیا کہ وہ کون ندیم تھے تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ ایک جماعت تھی کہ جس سے علم حاصل ہوتا ہے۔ رہبری ملتی ہے، اور ناموری حاصل ہوتی ہے آپ چاہیں تو انھیں مردہ تصور کریں اور چاہیں تو زندہ اور سرگرم عمل سمجھیں۔[۳]

---

(۱) احسن التقاسیم معرفۃ الاقالیم (المقدسی) ص ۱۴۱ (۲) دیباچہ رسائل ابوالعلاء (مارگولیتھ) (۳) الفخری (ابن الطقطقی) ص ۱۰۔ ان عالم نے یہ اشعار پڑھے تھے :

لنا جلساء لا نمل حدیثهم — ألباء مأمونون غيبا ومشهدا
اذا ما خلونا كان خير حديثهم — معيناً على نفي الهموم مؤيدا
يفيدوننا من علمهم علم من مضى — وعقلاً وتأديباً ورأياً مسددا
فلا ريبة تخشى ولا سوء عشرة — ولا نتقي منهم لساناً ولا يدا
فان قلت اموات فلست بكاذب — وان قلت احياء فلست مفندا

حقیقت میں کتابوں کی ایسی قدرومنزلت اور ان کے ساتھ اس قدر دلی محبت کا باعث الجاحظ کی تصانیف اور ان کے حکیمانہ اقوال ہیں۔ الجاحظ سے پہلے لوگ عموماً نثر کے مقابلہ میں نظم سے دلچسپی لیتے تھے۔ اور نثر کے مقابلہ میں نظم کی کتابوں پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ ان کی تصانیف اور اقوال ہی وہ چیزیں ہیں جنھوں نے لوگوں کی توجہ اس قسم کے ادب کی طرف پھیر دی۔ کتاب کے متعلق الجاحظ کی رائے یہ ہے:

"کتاب کا حاصل کرنا جیسا آسان اور ارزاں ہے اس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اس میں تاریخ اور سائنس کے عجائبات درج ہوتے ہیں۔ اس میں ہمیں صحیح الدماغ لوگوں کے اخذکردہ نتائج اور دانشوروں کے تجربات مل جاتے ہیں۔ اس سے ہماری پیش رو نسلوں اور دور دراز ممالک کے حالات کا پتہ چلتا ہے۔ ایسا مہمان کہاں مل سکتا ہے جو یا تو آپ کے ساتھ تھوڑا عرصہ قیام کرے یا آپ کے ساتھ مثل سایہ رہے یا آپ کے جسم کا جزو بن جائے"[1] جب تک آپ چاہیں کتاب خاموش رہتی ہے جب آپ بات چیت کرنا چاہیں تو فصاحت کے ساتھ بولنے لگتی ہے۔ اگر آپ کسی کام میں مصروف ہیں تو وہ خلل انداز نہیں ہوتی اور اگر آپ تنہائی محسوس کریں تو وہ آپ کی ایک شفیق ساتھی بن جاتی ہے۔ وہ ایک ایسا دوست ہے جو آپ کو کبھی دھوکا نہیں دیتا نہ آپ کی چاپلوسی کرتا ہے اور ایسا ساتھی ہے جو کبھی آپ سے نہیں اکتاتا۔"[2]

محمد بن عبدالملک الزیات نے بیماری کی وجہ سے پبلک میں آنا چھوڑ دیا تھا۔ ہمارے نامور عالم الجاحظ نے سوچا کہ ابن الزیات کو ملاقات کے وقت کیا تحفہ پیش کیا جائے۔ سب سے زیادہ بہتر اور مناسب چیز جو ان کی سمجھ میں آئی وہ الکسائی کی لکھی ہوئی اور الفراء کی نظرثانی کی ہوئی کتاب سیبویہ تھی۔ جب وہ کتاب ابن الزیات کو نذر کی گئی تو انھوں نے کہا کہ آپ کا انتخاب بے نظیر ہے اور میرے نزدیک اس تحفہ کے مقابلہ میں کسی چیز کی قدروقیمت نہیں ہے۔"[3] عبدالسلام ہارون

---

(۱) محاضرات الابرار (محی الدین ابن العربی) غیر مطبوعہ (۲) الحیوان (الجاحظ) جلد ۱ ص ۵۰-۵۱۔
(۳) معجم الادباء (یاقوت) جلد ۲ ص ۸۵، ۸۶۔

کہتے ہیں کہ جیسا الجاحظ کتابوں پر مہربان تھا کتابیں اس پر مہربان نہ تھیں۔[1] اس نے کتابوں کی قدر و قیمت بڑھانے میں انتہائی جدوجہد کی۔ ان کے جمع کرنے میں کثیر دولت صرف کی لیکن وہی اس کی موت کا باعث ہوئیں۔ اس کا دستور تھا کہ مطالعہ کے وقت اپنے گرد کتابوں کے تودے لگا لیا کرتا تھا۔ سوء اتفاق سے ایک روز کتابوں کا ایک تودہ اس پر گر پڑا اور بڑھاپے اور کمزور صحت کے باعث کتابوں ہی میں دب کر جان دیدی۔[2]

کسی عالم کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"میری نظر میں کتاب ہی ایک ایسا پھلوں کا باغ ہے جسے آستین میں رکھا جا سکتا ہے اور وہی ایسی سرسبز سیرگاہ ہے جو انسان کے ساتھ جہاں وہ چاہے جا سکتی ہے۔ کتاب مُردوں کی زبان ہے اور زندوں کی آواز ہے۔ وہ شام کے وقت آپ سے ملنے والا ایک ایسا دوست ہے جو اس وقت تک نہیں سوتا جب تک آپ خود نہ سو جائیں اور ہمیشہ وہی بات کرتا ہے جس سے آپ کو خوشی ہوتی ہے۔ کبھی آپ کا راز فاش نہیں کرتا اور کبھی امانت میں خیانت نہیں کرتا۔ وہ انتہا درجہ کا وفادار ہمسایہ ہے معقول دوست ہے فرمانبردار ساتھی ہے۔ منکسر المزاج پروفیسر ہے ایک ماہر و مفید انیس ہے جو نہ کبھی کسی معاملہ میں بحث کرتا ہے اور نہ اپنے مالک سے اکتاتا ہے۔"[3]

کم ہمت اور بے اثر خلیفہ المکتفی (متوفی ۲۹۵ھ) نے اپنے وزیر سے کچھ کتابوں کی فرمائش کی تاکہ اسی طرح وقت گزر سکے۔ وزیر نے بعض گورنروں کو ہدایات جاری کیں کہ کتابیں مہیا کی جائیں، لیکن خلیفہ کے پاس بھیجنے سے پہلے اسے دکھائی جائیں۔ جمع شدہ کتابوں میں تاریخی اور دیگر سنجیدہ مضامین پر کتابیں تھیں انھیں دیکھ کر وزیر نے ان کے جمع کرنے والوں کو برا بھلا کہا اور کہا یہ کتابیں

---

(۱) دیباچہ کتاب الحیوان جلد ا ص ۵ (۲) ابو الفداء ج ۲ ص ۷۴ (۳) المسایرات (محی الدین ابن العربی) غیر مطبوعہ کیمبرج

ایسے پروفیسر ہیں جو خلیفہ کو جگا دیں گے اور اسے حقوق و فرائض سے آگاہ کر دیں گے لیکن میں تو ایسے مفید علم سے اسے بے خبر رکھنا چاہتا ہوں"[1]۔

اس ضمن میں عرب کے مشہور شاعر المتنبی کا قول ہے کہ " دنیا میں سب سے اچھی نشست گھوڑے کی زین پر ہے اور سب سے اچھا رفیق کتاب ہے اور ہمیشہ رہے گی"[2]۔

کتب خانوں کی اخلاقی افادیت

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ یہ کتابوں کی قدر شناسی ہی کا نتیجہ تھا کہ اوائل اسلام ہی سے لوگوں میں کتابوں کے جمع کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ ہم آگے چل کر کتابوں کے مجموعوں کا تذکرہ کریں گے لیکن یہاں ہم مختصر طور پر یہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو کتب خانوں کا کیسا حیرت انگیز شغف تھا۔

وزیر ابن العمید کے مکان کو ۳۵۵ھ میں خراسان کی افواج نے اس بری طرح لوٹا کہ ایک پیالہ یا گلاس تک باقی نہ چھوڑا۔ ابن العمید کو اس کا کچھ بھی فکر نہ تھا۔ ہاں اگر فکر تھا تو اپنے بیش قیمت کتب خانے کا جس کی اسے کوئی خبر نہ ملی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی مہتمم کتب خانہ سے ملاقات ہوئی اور اس نے اطلاع دی کہ تمام کتب خانہ محفوظ ہے اور کوئی کتاب ضائع نہیں ہوئی۔ ابو العمید کو بڑی مسرت ہوئی اور مہتمم مذکور سے کہا "تم بڑے مبارک فال انسان ہو۔ ہر چیز جو ضائع ہو گئی ہے مل سکتی ہے لیکن کتابیں نہیں مل سکتیں"[3]۔

جب نوح بن منصور نے الصاحب بن عباد کو وزارت عظمیٰ پیش کی تو اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ انکار کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ میری کتابوں کا منتقل کیا جانا مشکل ہوگا۔ جو چار سو اونٹوں پر لاد کر لے جائی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ اس نے اس اعلیٰ عہدہ کے مقابلہ میں اپنے کتب خانہ میں رہنا پسند کیا"[4]۔

طرابلس کے بنو عمار نے ماہرین ملازم رکھے تھے اور تاجر بھی جن کا یہ کام تھا کہ غیر ممالک سے کتابیں جمع

---

(۱) الفخری (ابن الطقطقی) ص ۱۱ (۲) دیوان المتنبی شرح العکبری ج ۱ ص ۱۲۳ (۳) ابن مسکویہ ج ۶ ص ۲۲۴-۲۲۵

(۴) معجم الادبا (یاقوت) ج ۲ ص ۳۱۵ + ابن خلکان ج ۱ ص ۱۰۶ (۵) اسلامک کلچر ج ۳، ۱۹۲۹ء ص ۲۳۱ + خطط الشام (کرد علی) ج ۶ ص ۱۹۱

کر کے ان کے کتب خانوں کے لیے لایا کریں"۔(۱)

القاضی الفاضل کے چھوٹے بیٹے کو پڑھنے کے لیے "الحماسہ" کے ایک نسخہ کی ضرورت تھی اس نے ابن صورۃ الکتبی سے کہا کہیں سے مہیا کرو۔ الکتبی القاضی الفاضل کے پاس گیا تاکہ ان کے کتب خانے سے اس نسخہ کے نکالنے کی اجازت حاصل کرے۔ قاضی نے حکم دیا کہ کتب خانے سے اس کتاب کے تمام نسخے لائے جائیں تاکہ سب سے گھٹیا نسخہ چھانٹ کر اسے پڑھنے کو دیا جائے۔ چنانچہ پینتیس نسخے ان کے سامنے رکھے گئے لیکن جب ان کو دیکھا تو پتہ چلا کہ ہر نسخہ میں کوئی نہ کوئی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے وہ انھیں عزیز ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ سارا مجموعہ اتنے بلند معیار کا ہے کہ ایک نوجوان طالب علم کے لیے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ اور ابن صورۃ کو حکم دیا کہ بازار سے ایک نسخہ خرید لیا جائے"۔(۲)

اگر ہم مصر کو چھوڑ کر اندلس کی طرف توجہ دیں تو ہمیں وہاں بھی لوگوں میں کتابیں جمع کرنے کا حیرت انگیز جوش و خروش ملے گا۔

قرطبہ کے حکمراں الحکم نے مشرقی دنیا کے تمام اطراف میں اس مقصد کے لیے قاصد روانہ کیے تھے کہ کتابیں جمع کر کے لائیں۔(۳) جب ابوالفرج الاصفہانی نے اپنی تصنیف "الاغانی" ختم کر لی تو الحکم نے ایک قاصد ان کے پاس روانہ کیا کہ قبل اس کے کہ وہ کتاب کسی اور کے ہاتھ لگے ایک نسخہ اس کے پاس پہنچ جائے اور پھر اس بادشاہ نے بطور شکرانہ دس ہزار طلائی دینار بطور انعام مصنف کو دیئے۔(۴)

عوام بھی اپنے گھروں میں کتب خانے رکھنے کے شائق تھے اگرچہ وہ انھیں استعمال کرنے

---

(۱) اسلامک کلچر ج ۳ ۱۹۲۹ء ص ۲۳۱ + خطط الشام (کرد علی) ج ۶ ص ۱۹۱ (۲) الخطط (مقریزی) ج ۲، ص ۳۶،

(۳) نفح الطیب (المقری)، ص ۱۸۲

(۴) نفح الطیب (المقری)، ج ۱، ص ۱۸۲

کے اہل نہ تھے کیونکہ کسی کے پاس کتب خانہ ہونے سے اس کی عزت و توقیر میں اضافہ ہوتا تھا۔ اس ضمن میں بروایت المقری مندرجہ ذیل واقعہ لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کتابوں کے ایک عاشق دلدادہ الحضرمی کا یہ دستور تھا کہ جہاں کہیں کتابوں کا نیلام ہوتا تو ضرور پہنچتا۔ اسے اپنی دلپسند ایک خاص کتاب کی جستجو تھی۔ ایک دن اس کتاب کا ایک نفیس نسخہ مع تفسیر دستیاب ہوگیا۔ اس نے اس پر بولی لگائی لیکن ایک دوسرے خریدار نے اس سے بڑھ کر بولی لگادی۔ وہ برابر بولی بڑھاتا رہا اور دوسرا اس کے خلاف بولتا رہا۔ یہاں تک کہ کتاب کی قیمت سے کہیں زیادہ بولی بڑھ گئی۔ الحضرمی نے فیصلہ کیا کہ اس کا خیال چھوڑ دے۔ لیکن اپنے مخالف کو دیکھنے کا شوق ہوا۔ یہ معلوم ہو کر اسے بے حد طیش آیا کہ خریدار کوئی عالم نہیں ہے اور کتاب کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔ اسے بس کتاب کی خوبصورت جلد اور اس کی ضخامت پسند آگئی تھی جس سے وہ اپنے کتب خانے کی الماری میں خالی جگہ کو پُر کرنا چاہتا تھا"[1]۔

عمارات اور ترتیب

اولگا پنٹو کا بیان ہے کہ کتب خانہ ہائے عوام کی عمارات کے بنانے میں بہت ہوشیاری سے کام لیا جاتا تھا۔ بعض کتب خانوں میں جو شیراز، قرطبہ اور قاہرہ میں واقع تھے مختلف کاموں کے لیے جدا جدا کمرے تھے۔ گیلریاں الگ تھیں جہاں کتابوں کی الماریاں رکھی جاتی تھیں۔ مطالعہ کرنے والوں کے لیے کمرے الگ تھے۔ مسودات کی نقلیں کرنے والوں کے کمرے علاحدہ تھے۔ ادبی اجتماعات

---

(۱) نفح الطیب ج ۱، ص ۲۱۸۔ اس قصہ کو پڑھ کر ایک دورِ حاضرہ کا قصہ بھی پڑھنے کے لائق ہے۔ ایک امریکن کروڑپتی نے نیا مکان بنا کر اسے سجایا اور لندن کے ایک مشہور کتب فروش کو کتابوں کی فرمائش بھیجی۔ اس فرمائش میں کتابوں کی جلد، ان کی ضخامت اور طول و عرض کے متعلق پوری تفصیل تھی۔ لیکن مضامین اور ناموں کا کہیں ذکر نہ تھا۔ یہ سب کام کتب فروش پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

(اسلامک کلچر ۱۹۳۸ء، ج ۱۲، ص ۱۷۵)

کے لیے کمرے جدا تھے اور بعض جگہ جشن موسیقی کے لیے بھی کمرے الگ تھے۔ تمام کمرے فرش فروش سے مزین رہتے تھے۔ فرش پر چٹائیاں اور قالین بچھائے جاتے تھے۔ جہاں مطالعہ کرنے والے مشرقی طرز پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے تھے، اور لکھتے پڑھتے تھے۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر پردے لٹکائے جاتے تھے۔ داخلی دروازے میں خاص طور پر بھاری پردہ لٹکایا جاتا تھا تاکہ سرد ہوا کی روک تھام ہو سکے۔[1]

عظیم الشان فاطمی کتب خانے کی عمارت اس قدر وسیع تھی کہ اس میں چالیس کمرے تھے اور ہر کمرہ میں اٹھارہ ہزار کتابوں کے رکھنے کی گنجائش تھی۔[2]

المقدسی نے عضد الدولہ کے کتب خانے واقع شیراز کے متعلق ایک مکمل بیان دیا ہے۔ اس میں سے ہم صرف وہ حصہ نقل کرتے ہیں جو عمارت اور اس کے اہتمام کے متعلق ہے:

"کتب خانہ میں ایک طویل گیلری تھی جس سے ذرا ہٹ کر قریب ہی گودام تھے۔ گیلری اور گوداموں کی دیواروں سے لگی ہوئی کتابوں کی الماریاں رکھی تھیں جن میں متعدد خانے تھے۔ اور علم کے ہر شعبہ کے لیے الگ الگ حصے تھے"۔[3] مضمون وار کتابوں کو تقسیم کرنے کا ہر کتب خانے میں دستور تھا۔ ابن سینا جس نے نوح بن منصور (متوفی ۳۸۷ھ) کے عہد میں سامانی کتب خانے سے استفادہ کیا تھا اس کے متعلق لکھا ہے" میں ایک مکان میں داخل ہوا جس میں متعدد کمرے تھے۔ ہر کمرہ میں کتابوں کے صندوق تھے۔ ایک کمرہ میں عربی کی کتابیں اور نظم کی کتابیں تھیں دوسرے میں کتب قانون تھیں اور اسی طرح ہر کمرہ میں مختلف شعبۂ علم کی کتابیں تھیں"۔[4]

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کو دور جدید کی طرح الماریوں میں کتابیں کھڑی کر کے رکھنے کا خیال نہیں آیا

---

(۱) اسلامک کلچر ج ۳، ۱۹۲۹ء، ص ۲۲۷ (۲) الخطط (مقریزی) ج ۱، ص ۴۰۸

احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص ۴۴۹

(۴) Turkestan down to the Mongol Invasion, p. 9.

(BARTHOLD)

تھا[1]۔ بلکہ کتابیں اوپر تلے رکھی جاتی تھیں ۔ اور چھوٹی کتابوں کے اوپر بڑی کتابیں نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ اس میں گرنے کا احتمال تھا[2]۔

علاوہ ازیں کتابیں رکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ بجائے اس کے کہ کتابوں کا پشتہ باہر کی طرف ہو جیسا کہ آج کل ہوتا ہے اوراق باہر کی طرف ہوتے تھے ۔ کتابوں اور مصنفین کے نام اوراق کے سب سے نیچے والے سرے پر لکھے جاتے تھے ۔ یا اس بکس پر لکھے جاتے تھے جس میں بیش قیمت کتابیں رکھی جاتی تھیں۔ چنانچہ جب کسی شخص کو کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تو اسے آسانی سے پتہ چل جاتا تھا[3]۔ مصر کے دارالکتب میں ایسی کتابیں اب تک موجود ہیں جو اس عہد کہن سے اسی طرح رکھی چلی آرہی ہیں۔ اور ان کے نام اور مصنفین کے نام اسی طرح لکھے ہوئے ہیں جیسے کہ پہلے زمانہ میں لکھے جاتے تھے۔

کتابوں کی الماریاں کھلی ہوئی تھیں اور ہر شخص اپنی ضرورت کی کتاب لے سکتا تھا۔ بعض الماریاں مقفل رہتی تھیں کیونکہ ان میں بیش قیمت کتابیں یا مسودات رکھے جاتے تھے۔ ان میں سے کسی کتاب سے استفادہ کرنے کے لیے مجلس منتظمہ سے اجازت لینی پڑتی تھی[4]۔

فہرستیں

ہر بڑے کتب خانہ کے ساتھ پبلک کتب خانہ ہو خواہ ذاتی ایک فہرست بھی ہوتی تھی جس کی مدد سے پڑھنے والے کتب خانہ سے استفادہ کرتے تھے۔ علاوہ ازیں الماری کے ہر خانے کے باہر اس کے اندر والی کتابوں کے نام لکھے ہوئے لٹکے رہتے تھے۔ اس کاغذ پر یہ تفصیل بھی درج ہوتی تھی کہ کونسی

---

(۱) قرون وسطیٰ کے یورپ میں بھی کتابیں لٹا کر رکھی جاتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں رکھنے کا یہ طریقہ قدیم زمانے سے چلا آرہا تھا اور اس کی نقل تھا کہ جب مصر میں پاپی رس کے مخطوطے لپیٹ کر رکھے جاتے تھے۔ لپٹا ہوا کاغذ تو ظاہر ہے اسی طرح رکھا جاسکتا ہے۔ (۲) تذکرۃ السامع والمتکلم (ابن جماعۃ) ص ۱۷۲ (۳) تذکرۃ السامع والمتکلم ص ۱۷۱ - ۱۷۲ -

(۴) اسلامک کلچر ج ۳ ۱۹۲۹ء ص ۲۲۹

کتاب نامکمل ہے یا اس کا کوئی حصہ غائب ہے"[1]۔

اب ہم تمام اسلامی دنیا میں ماوراء النہر سے لے کر اندلس تک اسی قسم کی تمام فہرستوں کا سرسری جائزہ لیتے ہیں۔ عضدالدولہ (متوفی ۳۷۲ھ) کے شیرازی کتب خانے کا حال بیان کرتے ہوئے المقدسی کا بیان ہے "کتب خانہ کے ہر شعبہ کی فہرستیں ہیں جن میں کتابوں کے نام درج ہیں"[2]۔

ابوالحسن البیہقی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے الصاحب بن عباد (متوفی ۳۸۵ھ) کی فہرست دیکھی تھی اور اس فہرست کی دس جلدیں تھیں"[3]۔

بوعلی سینا کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے بخارا میں سامانی کتب خانے کی فہرست کو دیکھا تھا۔ پھر انھوں نے چند کتابیں منتخب کر کے طلب کیں جو فوراً ان کے سامنے پیش کی گئیں۔ وہ لکھتے ہیں "میں نے ایسی کتابیں دیکھیں جن کے نام بھی بہت سے لوگوں کو معلوم نہیں ہیں۔ اس سے قبل یا بعد میں نے کتابوں کا ایسا ذخیرہ نہیں دیکھا"[4]۔

عراق عرب میں مشہور خزانۃ الحکمۃ کے قیام کے بعد سے فہرستیں ملتی ہیں۔ ایک کتاب کے تجسس میں مامون رشید نے خزانۃ الحکمۃ کی فہرست طلب کی لیکن جب اس میں اس کتاب کا نام درج نہ پایا تو خلیفہ کو حیرت ہوئی کہ ایک ایسی کتاب فہرست میں درج ہونے سے کیسے رہ گئی"[5]۔

مدرسہ نظامیہ کے کتب خانے کی ایک نہایت عمدہ فہرست مرتب کی گئی تھی جسے

---

(۱) اسلامک کلچر ج ۳، ۱۹۲۹ء ص ۲۲۹ (۲) احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص ۴۴۹

(۳) معجم الادباء (یاقوت) ج ۲ ص ۳۱۵

(۴) Turkestan down to the Mongol Invasion (BARTOLD)

PP. 9-10

(۵) رسائل البلغاء مرتبہ کرد علی ص ۴۷۹-۴۸۰

ابن الجوزی نے دیکھا تھا وہ فرماتے ہیں کہ اس فہرست میں چھ ہزار کتابیں درج تھیں"[1]۔

جب المستنصر کا کتب خانہ قائم کیا گیا تو خلیفہ کے ذاتی کتب خانے کے مہتم ضیاء الدین احمد اور شیخ عبدالعزیز بن دلف کو یہ کام سپرد ہوا کہ کتابیں جمع کریں۔ ترتیب سے انھیں الماریوں میں رکھیں اور مضمون وار انھیں ایک فہرست میں درج کریں تاکہ ان کے استفادہ کرنے میں سہولت ہو[2]۔

مصر میں فاطمی کتب خانے کے متعدد کمرے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں اس کتب خانے کی کوئی مکمل فہرست نہ تھی۔ بجائے اس کے ہر کمرہ کے دروازہ پر اس کمرہ کی کتابوں کی فہرست لٹکی رہتی تھی"[2] لیکن ابوالقاسم الجرجانی وزیر نے ۴۳۵ھ میں حکم نافذ کیا کہ کتب خانہ کی ایک پوری فہرست بنا دی جائے۔ اس کام پر القاضی ابو عبداللہ القضاعی اور ابو خلف الوراق کا تقرر ہوا"[3]۔

ہسپانیہ میں الحکم کے کتب خانے کی شعبہ نظم کی فہرست چوالیس جلدوں میں تھی۔[4]

استعارۂ کتب

ابن جماعۃ فرماتے ہیں کہ کتابوں کا لینا دینا نہایت قابلِ تعریف فعل ہے بشرطیکہ لینے والے اور دینے والے کو کوئی نقصان نہ پہنچے"[5]۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "دوسروں تک احادیث پہنچانے والے پر سب سے پہلی رحمت یہ نازل ہوتی ہے کہ اسے دوسروں کو کتابیں مستعار دینے کا موقع ملتا ہے"[6]۔

ابوالعتاہیہ نے ایک مرتبہ کسی شخص کو کتاب مستعار دینے سے انکار کر دیا۔ وہ اس طرح

---

(۱) میر الخاطر ص ۳۶۶-۳۶۷ (۲) الحوادث الجامعۃ (ابن الفوطی)، ص ۵۴ (۳) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۲ ص ۱۰۴۲ (۴) اخبار الحکماء (القفطی) ص ۲۴۰ (۵) نفح الطیب (المقری) جلد ۱ ص ۱۸۶۔
(۶) تذکرۃ السامع والمتکلم ص ۱۶۷ (۷) الدر النضید (الغزالی)

کتابیں دینا پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن جب اس شخص نے انھیں یاد دلایا کہ خدا کا انعام اس ہی شخص پر ہی ہوتا ہے کہ جو شخص کسی کام کو ناپسند کرے لیکن کر ڈالے۔ لہذا انھوں نے فوراً اسے کتاب دیدی۔[۱]

ابو حیان غرناطی نے کبھی کوئی کتاب جس کی انھیں ضرورت ہوئی نہیں خریدی چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "جس کتاب کی مجھے ضرورت ہوتی ہے میں کسی کتب خانے سے مستعار لے لیتا ہوں"۔[۲]

بہر حال کتابوں کے استعارہ پر چند قیود اس غرض سے عاید کر دی گئی تھیں کہ کام بہ آسانی چلتا رہے:

کتب خانہ قاہرہ کے ضوابط کے مطابق قاہرہ ہی کے باشندے کتابیں مستعار لے سکتے تھے۔[۳]

کتب خانے سے باہر کتابیں لے جانے کے لیے کچھ رقم بطور ضمانت جمع کرانی پڑتی تھی۔[۴] لیکن ممتاز و سربرآوردہ علما کو اس قاعدہ سے مستثنیٰ کر دیا جاتا تھا۔ یاقوت مرو کے کتب خانوں کی فراخدلی کی تعریف کرتے ہیں جہاں انھیں بغیر کسی زر ضمانت کے دو سو یا اس سے زیادہ کتابیں مستعار لینے کی اجازت مل گئی تھی۔[۵]

بعض حالات میں وقت کا تعین کر دیا جاتا تھا۔ اس دستاویز کے بموجب ابن خلدون نے اپنی تصنیف "کتاب العبر" کا نسخہ فاس کی جامعۃ القیروان کے کتب خانے کو عطا کر دیا تھا۔ یہ ضابطہ بتا دیا تھا کہ وہ کتاب صرف قابل اعتماد اور بھروسے کے آدمیوں کو زیادہ سے زیادہ

---

(۱) تذکرۃ السامع والمتکلم ص ۱۶۷-۱۶۸ (۲) الدرر الکامنہ (ابن حجر) ج ۴ ص ۳۰۹

(۳) (محمد فرید وجدی) The Encyclopaedia of XX Century.

اکثر انگریزی کتب خانوں میں یہ قاعدہ ہے کہ کوئی کتاب ملک سے باہر نہیں جا سکتی (۴) الجامع المختصر (ابن الساعی)

ج ۱، ص ۲۴۶ (۵) معجم البلدان (یاقوت) ج ۸ ص ۳۶

دو ماہ کے لیے معقول زرِ ضمانت جمع کرنے پر دی جائے گی۔"[۱]

کتاب لینے والے سے پُرزور درخواست کی جاتی تھی کہ کتاب کو حفاظت سے رکھے۔ اگر کہیں اصلاح بھی کرنا ہو تو بغیر مالک کی اجازت کے نہ کی جائے۔ حاشیہ پر کچھ نہ لکھا جائے اور کتاب کے اول و آخر میں سادے اوراق سادے ہی رہیں۔ اگر مالک کی اجازت کا یقین ہو تو کتاب لینے والا خلاصہ تیار کر سکتا تھا۔ مستعار لی ہوئی کتابیں کسی اور شخص کو مستعار نہیں دی جا سکتی تھیں۔ اور نہ کہیں بطورِ ضمانت رکھی جا سکتی تھیں۔ مالک کے تقاضے پر فوراً واپس کرنا ضروری تھا اور اس کے بعد اپنے پاس رکھنا خلافِ قانون تھا۔ اگر تقاضا نہ بھی ہو پھر بھی کتاب واپس کرنے میں سستی واجب نہ تھی۔ کتاب لینے والے پر واجب تھا کہ کتاب دینے والے کا شکرگزار ہو اور اظہارِ تشکر کرے۔[۲]

اس حصۂ مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ہمیں یہ بھی بتانا ہے کہ دنیائے اسلام میں صرف مطالعہ کے لیے بھی کتب خانے قائم تھے۔ القاضی ابن حبان نیشاپوری نے جب اپنی کتابیں وقف کیں تو یہ شرط لگا دی کہ کسی صورت میں بھی کتابیں کتب خانے سے باہر لے جانے کو نہ دی جائیں۔[۳] یہی شرط المدرسۃ المحمودیہ کے کتب خانے کے متعلق تھی جسے جمال الدین محمود بن علی نے قائم کیا تھا۔ ان کی وصیت یہ تھی کہ "کوئی کتاب کتب خانے کی عمارت سے باہر نہ جائے گی۔"[۴]

کتب خانہ کا عملہ

عملہ کا انحصار اس پر تھا کہ کتب خانہ بڑا ہے یا چھوٹا۔ پبلک ہے یا ذاتی لیکن بہرحال اس کی چند خصوصیات تھیں جو ہر ایک قابلِ ذکر کتب خانے میں پائی جاتی تھیں۔ اب ہم کتب خانے کے عملہ کا ایک سرسری جائزہ لیں گے۔ عموماً عملہ میں ایک مہتمم، چند مترجمین، چند کاتب، کچھ جلد ساز اور کچھ خدام ہوا کرتے تھے۔

---

(۱) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۲، ص ۱۰۴۷ (۲) تذکرۃ السامع والمتکلم (ابن جماعۃ) ص ۱۶۸-۱۶۹ (۳) اسلامک کلچر ج ۳ ۱۹۲۹ء ص ۲۳۴ (۴) الخطط (مقریزی) ج ۲ ص ۳۹۵

مہتمم کتب خانہ کے فرائض

مہتمم اپنے کتب خانے کے انتظامی اور ذہنی معاملات کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ وہ نئی نئی کتابیں مہیا کرتا تھا۔ فہرستوں کی تیاری اس کی نگرانی میں ہوتی تھی۔ اور مطالعہ کرنے والوں کو ہر قسم کی سہولت اور مشورہ دیتا تھا۔ اگر ضرورت ہو تو کتاب کی جلد بندی اور مرمت کے احکامات نافذ کرتا تھا۔ کتابیں مستعار دیتے وقت اس کی منظوری کی ضرورت ہوتی تھی اور ایسے ہی لوگوں کو کتاب دی جاتی جاتی تھی جو اس سے مستفید ہو سکیں اور اگر ایک کتاب کے کئی مطالبے ہوں تو غریب آدمی کو ترجیح دی جاتی تھی۔ کیونکہ پیسے والا آدمی تو کتاب خرید بھی سکتا تھا۔[1]

ان تمام فرائض کے لیے ایک مہتمم کافی ہوتا تھا۔ لیکن بڑے پبلک کتب خانوں میں مددگار مہتمم بھی مقرر کیے جاتے تھے۔[2]

مہتمم کتب خانہ کی علمی قابلیت

جب سے مسلمانوں نے کتب خانے قائم کیے مہتمم کتب خانہ کے فرائض میں اس کے ذہنی اور علمی کام کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ چنانچہ اس عہدہ کے لیے علما و فضلا کا تقرر ہوا کرتا تھا۔ چند نام اور ان کے متعلق چند سطریں درج ذیل کی جاتی ہیں:

سہل بن ہارون۔ سعید بن ہارون۔ اور سلام بغداد میں بیت الحکمۃ کے مہتمم تھے۔ مستند عالم ابن الندیم کے بیان کے مطابق یہ حضرات نہایت فصیح و خوش بیان عالم اور نہایت اعلیٰ پایہ کے مصنف تھے۔ الجاحظ جو خود ایک ممتاز عالم ہے اکثر سہل اور سعید کے حوالے اپنی کتابوں میں دیتا ہے۔[3]

الفتح بن خاقان کا شاندار کتب خانہ علی بن یحییٰ المنجم (متوفی ۲۷۵ھ) نے ترتیب دیا تھا۔ علی کی سوانحعمری مؤلفہ یاقوت کے مطالعہ سے ناظرین کو پتہ چلے گا کہ وہ کیسا عالم و فاضل لائبریرین تھا۔[4]

---

(۱) معید النعم (السبکی) ص ۱۵۹ (۲) ارشاد (یاقوت) ج ۶ ص ۳۵۹ + الخطط (مقریزی) ج ۱ ص ۴۵۸

(۳) الفہرست ص ۱۲۴ (۴) ارشاد (یاقوت) ج ۵ ص ۴۵۹ - ۴۷۳

مشہور و معروف فاطمی کتب خانہ کا مہتمم علی بن محمد الشبشتی (متوفی ۳۹۰) تھا۔ وہ العزیز باللہ کے امرائے دربار میں سے تھا اور متعدد کتابوں کا مصنف[1]۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ابن العمید کے کتب خانے کا مہتمم مشہور مورخ ابن مسکویہ تھا[2]۔

کتب خانہ موسومہ خزانۃ سابور جسے ابونصر سابور بن اردشیر (متوفی ۴۱۶ھ) کے وزیر بواہدین نے قائم کیا تھا متعدد علمائے متبحر کے زیر اہتمام رہا جن میں چند نام یہ ہیں:

ابوالحسین محمد بن ابی شیبہ[3]۔

القاضی ابوعبداللہ الحسین بن ہارون الضبی[4]۔

ابواحمد عبدالسلام بن الحسین البصری (متوفی ۴۰۵ھ) جو ابوالعلاء المعری کا ہمعصر اور محبِ قلبی تھا[5]۔

ابومنصور محمد بن علی (متوفی ۴۱۸ھ)[6]۔

مدرسہ نظامیہ کے کتب خانے کا اہتمام ایسے حضرات کے سپرد رہا جو اپنے عہد کے بہترین علماء تھے مثلاً:

القاضی ابویوسف یعقوب الاسفرائینی (متوفی ۴۹۸ھ)[7]

محمد بن احمد الابیوردی نامور شاعر جس کا تقرر اسفرائینی کی وفات کے بعد ہوا (متوفی ۵۰۸ھ)[8]

یحییٰ ابن علی پسر الخطیب التبریزی جو مدرسہ میں ادب کا پروفیسر تھا (متوفی ۵۰۲ھ)[9]۔

علی بن احمد بن بکری (متوفی ۵۷۵ھ) مشہور مصنف اور خوشنویس[10]۔

---

(۱) ابن خلکان ج ۱ ص ۴۸۱ (۲) تاریخ ابن مسکویہ "خلافت عباسیہ کا زوال" ج ۲ ص ۲۲۴ (۳ و ۴) شذرات الذہب (ابن العماد) ج ۲ ص ۱۰۱ (۵) تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۵۸ (۶) رسالۃ الغفران (ابوالعلاء المعری) ص ۴۲ - تاریخ بغداد ج ۳ ص ۹۳ (۷) ارشاد (یاقوت) ج ۶ ص ۳۴۳ (۸) ارشاد (یاقوت) ص ۳۴۱-۳۵۸ (۹) ارشاد (یاقوت) ج ۷ ص ۲۸۷ (۱۰) ارشاد (یاقوت) ج ۵ ص ۱۰۴-۱۰۵ -

مدرسہ المستنصریہ کے کتب خانے کا اہتمام بھی اپنے زمانے میں نہایت مشہور و معروف حضرات کے ہاتھ رہا۔ جن میں سے صرف چند نام یہ ہیں:

الشمسی بن علی الکتبی جس کو کتب خانہ کے افتتاح کے دن خلعت عطا ہوا تھا۔[۱]

ابن الساعی ایک ممتاز مورخ (متوفی ۶۷۴ھ)۔[۲]

ابن الفوطی (متوفی ۷۲۳ھ) مصنف الحوادث الجامعۃ اور دیگر متعدد تصانیف۔[۴] اس جگہ پر تقرر سے قبل وہ نصیر الدین الطوسی کے ذاتی کتب خانے کا مہتمم تھا۔[۵]

مترجمین

یہ امر مسلمہ ہے کہ الٰہیات اور زبان کو چھوڑ کر اوائل اسلام کے مسلمانوں نے جس علمی تحریک کی پرورش کی اس کی بنیاد غیر ممالک کے ادبی مطالعہ پر تھی۔ چنانچہ اس خلیج پر مترجمین نے پل کا کام کیا۔ ان ہی کی مدد سے غیر ملکی علوم یونانی۔ شامی۔ قدیم فارسی۔ اور ہندوستانی زبانوں سے عربی میں منتقل ہوئے۔ مترجمین کی تعداد معلوم کرنے کے لیے ناظرین کو ابن الندیم کی تالیف الفہرست کا مطالعہ کرنا چاہیے۔[۶] یہاں ہم ان مترجمین کا تذکرہ کریں گے جنھوں نے کتب خانوں میں کام کیا تھا۔

بالکل ابتدائی دور میں سب سے پہلے جس شخص نے کتابیں جمع کیں وہ خالد بن یزید (متوفی ۸۵ھ) ہے۔ خالد نے اپنی زندگی یونانی علوم خصوصاً علم کیمیا اور علم طب حاصل کرنے میں وقف کر دی تھی۔ اور ابن الندیم راوی ہے کہ اس نے ایک شخص کو اس لیے ملازم رکھا تھا کہ وہ ان مضامین کی کتابیں اس کے لیے ترجمہ کیا کرتا تھا۔[۱] اور پھر وہ کتابیں کتب خانے میں رکھی جاتی تھیں۔

بہرحال بیت الحکمۃ میں ترجمہ کا کام اوج کمال پر پہنچ گیا تھا۔ ابن الندیم راوی ہے کہ ہارون رشید

---

(۱) الحوادث الجامعۃ (ابن الفوطی) ص ۵۶ (۲) دیباچہ جامع المختصر (ابن الساعی) ص ۱ (۳) سوانح عمری مشمولہ حوادث الجامعۃ (۴) سوانح عمری مشمولہ حوادث الجامعۃ (۵) ایضاً ص ۲۴۰-۲۴۲ ص ۴۰۹-۴۱۶۔

(۶) الفہرست ص ۳۴۰

کے عہد میں فارسی زبان کا عالم ابوسہل الفضل بن نوبخت بیت الحکمۃ میں مترجم تھا۔ اس کی مدد سے بہت سی فارسی کتابیں عربی میں منتقل ہو گئیں۔[1] انقرہ اور عموریہ کی لڑائیوں میں فتح کے بعد ہارون رشید کو لاتعداد یونانی کتابیں ملیں جن کے ترجمہ کے لیے یوحنا ابن ماسویہ مقرر کیا گیا۔[2]

مامون الرشید کے عہد میں علمی ترقیاں بہت عروج پر تھیں۔ خلیفہ خود کوئی معمولی عالم نہ تھا اور اس نے اس طرف پوری پوری توجہ دی۔ مامون رشید نے بے شمار کتابیں غیر ممالک سے منگوائیں اور انہیں خزانۃ الحکمۃ کی زینت بنایا اور اس عہد کے بہترین علماء کو ان کا ترجمہ کرنے اور ان پر حواشی لکھنے کے لیے مقرر کیا۔ ان میں سے چند علما کے اسمائے گرامی یہ ہیں: سلام الحجاج بن مطر۔ ابن البطریق۔ حُنین بن اسحاق۔ عمرو بن الفرخان۔ اور اسحاق بن حُنین۔[3]

بنو موسیٰ بن شاکر کے کتب خانے میں غیر زبانوں کی بے شمار کتابیں جن کے ترجمہ کے لیے حنین بن اسحاق۔ حُبیش بن الحسن اور ثابت بن قرۃ کو ملازم رکھا گیا۔[4]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے بعد مترجمین کتب خانوں سے غائب ہو گئے۔ غالباً اس کا سبب یہ تھا کہ تمام مفید کتابوں کے ترجمے ہو چکے تھے اور اس علمی سرگرمی کے باعث اب مسلم علما یونانی فلسفہ اور علوم کی نشو و نما کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ اور عہد مابعد میں ان ہی پر ان کو پورا پورا وثوق حاصل تھا۔

ورّاقون[1] (کاتب)

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کو اس ضرورت کا بہت زیادہ احساس تھا کہ کتب خانوں میں کتابیں تیار

(۱) الفہرست، ص ۲۸۲ (۲) ابن ابی اصیبعۃ، ج ۱، ص ۱۷۵ (۳) الفہرست ص ۱۷۴، ۳۳۹، ۱۵۱م + القفطی ص ۲۴۲ + ابن ابی اصیبعۃ ۱ - ۱۸۷ - (۴) القفطی ص ۳۰ - ۳۱ + ابن ابی اصیبعۃ ص ۱ - ۱۸۷ + ابن الندیم ص ۴۰ - ۳۴۳ - (۵) لفظ ورّاقۃ کے کئی معنی لیے گئے ہیں۔ اپنے وسیع معنوں میں اس کے تحت کاغذ قلم دوات نقل نویسی جلد بندی۔ کتب فروشی سب کچھ آ جاتے ہیں جیسا کہ ابن الندیم نے الفہرست کے ص ۱۶۹ پر۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

کرنے کا کام بھی جاری رہنا چاہیے۔ چنانچہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہر بڑے کتب خانے میں نقل نویس ملازم رکھے جاتے تھے۔ یہ نقل نویس جو قرون وسطیٰ میں وہی کام کرتے تھے جو آج کل مطبع سے لیا جاتا ہے۔ بڑی کامیابی سے اپنا کاروبار چلاتے رہتے تھے اور کتب خانوں میں نئی نئی کتابیں پہنچاتے رہتے تھے۔

السبکی کے خیال میں نقل نویس کو اپنے کام میں بہت محتاط اور ایماندار ہونا چاہیے تاکہ کوئی بات ارادۃً یا عجلت میں لکھنے سے نہ رہ جائے۔ اسے لازم ہے کہ کتاب کی ترتیب اور ہر صفحہ پہ تعداد سطور کے متعلق اس کے آجر نے جو ہدایات دی ہیں ان پر سختی سے عمل کرے۔ اسے مخرب اخلاق یا تفریحی کتابوں کے نقل کرنے میں اپنی قوت کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔[1]

تقریباً تمام بڑے پبلک اور ذاتی کتب خانوں میں نقل نویس ملازم رکھے جاتے تھے۔ ان کی کثیر تعداد میں سے ہم صرف چند مثالیں درج کرتے ہیں:

بیت الحکمۃ میں ایک کثیر تعداد کاتبوں کی ملازم تھی۔ ان میں سے ایک علّان الشعوبی تھا جو ہارون اور مامون دونوں کے عہد میں رہا۔[2]

واقدی (متوفی ۲۰۸ھ) کے ذاتی کتب خانے میں محمد بن سعد اس کام پر مامور تھا اور اس وجہ سے اس کا نام ہی کاتب الواقدی پڑ گیا تھا۔

حنین بن اسحاق مشہور عیسائی طبیب کے ساتھ کئی کاتب رہتے تھے۔ ابن ابی اصیبعۃ[3] اور

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) یعقوبی نے البلدان کے ص ۲۴۵ پر اور ابن خلدون نے مقدمہ میں ص ۲۹۶ پر لکھا ہے لیکن ہم السمعانی سے متفق ہیں جس نے الانساب کے ص ۹۷ ۵ پر اس کے معنی صرف نقل نویسی لکھے ہیں ہم نے بھی اسی معنی میں استعمال کیا ہے ـــــ کتابیں حاصل کرنے کا نہایت اہم طریقہ تھا کہ ان کی نقلیں کر لی جاتی تھیں۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کتاب خریدی جائے یا کسی کو میراث میں یا وصیت کے تحت حاصل ہو۔ اس طرح وصیت کے تحت مساجد و مدارس کے کتب خانوں کو خاص طور پر اعلیٰ درجہ کے ذخیرے دستیاب ہو جاتے تھے۔ (۱) معید النعم ص ۱۰۶-۱۸۷ (۲) الفہرست (ابن الندیم) ص ۱۵۳-۱۵۴-

یاقوت[1] کی روایت کے بموجب الازرق اور محمد بن الحسن بن دینار اس کے کاتب تھے۔

ہمارے ممتاز صاحب علم الجاحظ کے ساتھ ایک ورّاق رہتا تھا جس کا نام عبدالوہاب بن عیسٰی تھا اور یہ ان کے ذاتی کتب خانہ میں ملازم تھا۔[2] احمد بن احمد جو امام شافعی کے بھائی تھے الجہشیاری کے کاتب تھے۔[3]

نامور خوشنویس علی بن ہلال جو ابن الوہاب کے نام سے مشہور تھا شہرازمیں عضد الدولہ کے کتب خانے میں کاتب تھا۔ ایک مرتبہ اس نے مشہور خوشنویس ابن مُقلہ کے طرز تحریر کی اس خوبی سے نقل اتاری کہ بہاء الدولہ دونوں میں تمیز نہ کر سکا۔[4]

جب خلیفہ الراضی باللہ کو پتہ چلا کہ اس کے کتب خانے سے ایک کتاب غائب ہو گئی تھی، تو الصّولی نے تجویز پیش کی کہ کتب خانے کے وہ کاتب جو مستقل ملازم ہیں فوراً نقل کرنا شروع کر دیں اور کتاب کی جلد بندھوا کر رکھی جائے۔[5] شیخ ذکی الدین اور صفی الدین عبدالمومن کو المستعصم باللہ کے کتب خانے میں نقل نویس مقرر کیا گیا تھا۔[6]

جب ہم مشرق کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو شام میں بھی اس سلسلے میں بڑی سرگرمی نظر آتی ہے۔ امین الدولہ ابن غزال کے کتب خانے میں کثرت سے کاتب کام کرتے تھے۔ تاریخ ابن عساکر کی اسّی جلدیں تھیں اور وہ خواہش مند تھا کہ اس کی ایک نقل کی جائے چنانچہ اپنے کاتبوں میں سے اس نے دس کا انتخاب کیا اور ان میں اس ضخیم کتاب کو تقسیم کر دیا اور تقریباً دو سال میں یہ کام ختم ہوا۔[7] حاکم حماۃ نامور مورخ ابوالفدائے کے کتب خانے میں بھی کئی کاتب ملازم تھے۔[8]

---

(۱) ارشاد، ج ۶ ص ۲۸۲ (۲) تاریخ بغداد، ج ۱۱ ص ۲۸-۲۹ + الانساب (السمعانی) ص ۵۸۰

(۳) ارشاد (یاقوت)، ج ۱، ص ۸۱ (۴) ارشاد (یاقوت)، ج ۵، ص ۴۴۶-۴۴۷۔

(۵) اخبار الراضی باللہ والمتقی باللہ (الصولی)، ص ۴۰ (۶) فوات الوفیات (الکتبی)، ج ۲، ص ۱۸

(۷) ابن ابی اصیبعہ، ج ۲ ص ۲۳۶ (۸) اسلامک کلچر ج ۹ ۱۹۳۵ء ص ۱۲۵

مصر میں بھی اس ضمن میں بڑی سرگرمیاں تھیں۔ مشہور دارالعلم میں دو کاتب ملازم تھے۔ جن کا حوالہ جا بجا المقریزی نے دیا ہے۔[1] یعقوب بن کلس کے گھر پر کئی کاتب کام کرتے رہتے تھے۔ اور اس کے کتبخانے کے لیے مختلف مضامین کی کتابیں نقل کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید۔ حدیث شریف۔ فقہ۔ ادب اور طب۔ سب ہی اس میں شامل تھے۔[2]

ابن ابی اصیبعہ سے روایت ہے کہ افرئیم بن زفّان کے کتب خانے میں متعدد کاتب ہمہ وقت نقل نویسی میں مصروف رہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک شخص محمد بن سعید بن ہشام تھا جسے عرف عام میں ابن ملساقہ کہا کرتے تھے۔[3] عبد اللطیف البغدادی راوی ہے کہ القاضی الفاضل نے چند کاتب ملازم رکھے تھے جن کا کام کبھی ختم ہی نہ ہوتا تھا۔[4]

موفق الدین بن المطران طبیب خاص سلطان صلاح الدین نے اپنے کتب خانے میں تین کاتب ملازم رکھے تھے جو برابر کام کرتے رہتے تھے ان میں سے ایک خوشنویس جمال الدین عرف ابن الجمالہ بھی تھا۔[5]

بحر روم کے اس پار اندلس میں خلیفہ الحکم کے کتب خانے میں بہت سے کاتب ملازم تھے اور کتب خانے کی ضروریات پوری کرتے رہتے تھے۔[1]

قرطبہ کے قاضی ابو مطرف کو کتابوں سے عشق تھا۔ لکھا ہے کہ اس کے کتب خانے میں چھ نقل نویس تھے اور ہر ایک کی مستقل تنخواہ تھی۔ وہ ہر نئی کتاب خریدنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ لیکن اگر کتاب قیمتاً نہ مل سکے تو اس کی نقل کرائی جاتی تھی۔[7]

اس مضمون کو ہم ایک حیرت انگیز بیان پر ختم کرتے ہیں۔ طرابلس میں بنوعمار کے شاندار کتب خانے

---

(۱) الخطط ج ۱ ص ۴۰۹، ۴۵۰ (۲) ابن خلکان ج ۲، ص ۴۹۷ (۳) ابن ابی اصیبعہ ج ۲، ص ۱۰۵
(۴) تذکرۃ السامع والمتکلم ص ۱۹۶ حاشیہ (۵) ابن ابی اصیبعہ ج ۲، ص ۱۸۸ (۶) العبر (ابن خلدون) ج ۴ ص ۱۴۶ (۷) الصلۃ (ابن بشکوال) ج ۱، ص ۳۰۴ - ۳۰۵

میں ایک سو اسّی[۱۸۰] کاتب مسودات کی نقل کرنے کے لیے لازم تھے۔ ان میں سے تیس آدمی تو ہر وقت کتب خانے میں کام کرتے رہتے تھے۔[۱]

جلد ساز

کاتبوں کے متعلق اوپر جو کچھ لکھا جا چکا ہے اب صرف یہ لکھ دینا کافی ہوگا کہ جہاں کہیں پبلک یا ذاتی کتب خانوں کے سلسلے میں ان کا تذکرہ ملتا ہے وہاں لفظ مجلّد (جلد ساز) کے ساتھ ساتھ لفظ ناسخ (کاتب) بھی موجود ہے۔[۲]

سر ٹامس آرنلڈ مرحوم اور پروفیسر اڈولف گروہمن (Prof. Adolf Grohmann) کی تصنیف "اسلامی کتاب" (The Islamic Book) اس سلسلے میں نہایت عمدہ تصنیف ہے جس سے ہم ذیل میں کچھ اقتباس دیتے ہیں:

"عراق میں اور خصوصاً اندلس میں کتابوں کی جلد بندی پر خاص طور پر زور دیا جاتا تھا۔ ہسپانیہ میں بمقام ملگا چمڑے کا نہایت نفیس کام ہوتا تھا۔ قرون وسطیٰ میں ذاتی طور پر کتابیں جمع کرنے والوں نے اور بڑے طمطراق اور شوکت و شان والے مسلمان حکمران جو بڑے بڑے کتب خانے قائم کرتے تھے اور کتب خانوں کے قیام میں دوسروں کی مدد کرتے تھے، جلد سازی کے فن کو ترقی دینے میں بھی انھوں نے بے مثال کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔"[۳]

جلد بندی نہایت معمولی طریقہ پر شروع ہوئی تھی لیکن بہت جلد ترقی کر کے اس نے ایک فن کی صورت اختیار کر لی۔ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ جلدیں بہت سخت ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ کوفہ میں دباغت کا

---

(۱) اسلامک کلچر ج ۹ ۱۹۳۵ء ص ۱۲۵، نیز اسلامک کلچر ج ۳ ۱۹۲۹ء ص ۲۳۱ دونوں کا حوالہ تاریخ ابن الفرات (غیر مطبوعہ) وی آنا سے لیا گیا ہے (۲) الفہرست ص ۱۴ + احسن التقاسیم (المقدسی) ص ۴۳۔۴۴۔ ۱۰۰ + اخبار (الصولی) ص ۰۴ + ابن خلدون ج ۴ ص ۶۴۱ + الخطط (المقریزی) ج ۱، ص ۴۰۹ + المقری ج ۱ ص ۱۸۲ + ابن جماعۃ ص ۱۶۶ + خزائن الکتب فی العراق (عواد) ص ۱۳۳ (۳) ص ۳۱-۳۲

ایک بہتر طریقہ ایجاد ہوا اور اس طرح چمڑا نرم اور لچکدار بنایا جانے لگا۔(۱) بعد ازاں اس فن میں اور ترقی ہوئی۔ اور چمڑے کی جلدیں نہایت خوش نما اور منقش بنائی جانے لگیں۔(۲)

عنایت اللہ کا بیان ہے کہ جلدیں نہایت نفاست سے چمڑے کی بنائی جاتی تھیں۔ سب سے پرانی اسلامی جلدیں مصریوں کی بنائی ہوئی ہیں اور وہ غالباً آٹھویں یا نویں صدی عیسوی کی ہیں۔ جب اس فن کو اور ترقی ہوئی تو مسلمان جلد سازوں کے لیے سنہری اور سادہ ٹھپہ لگانا اور کناروں پر نقش و نگار بنانا معمولی کام ہو گیا۔(۳)

خدمت گار (مُناولون)

کتب خانہ کے عملہ میں "مناولون" کا اکثر ذکر آتا ہے۔ اس سلسلے میں ہم ابوسعید العقیلی کے وہ اشعار نقل کرتے ہیں جن الصولی کے خدمت گاروں کا نام آتا ہے:

انما الصولی شیخ   اعلم الناس خزانہ

کلما جئنا الیہ   نبتغی منہ ابانہ

قال یا غلمان ہاتوا   رزمۃ العلم فلانہ

یعنی ابوسعید کہتا ہے کہ "جب کبھی ہم الصولی کے پاس جاتے ہیں جن کے پاس نہایت اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ ہے تو ہمارا مقصد کسی مسئلے کی گتھی سلجھانا ہوتا ہے۔ وہ اپنے خدمت گاروں کو چند خاص کتابیں لانے کا حکم دیتے ہیں"۔(۴)

المقریزی نے بھی فاطمی کتب خانے کے خدمت گاروں کا ذکر کیا ہے۔(۵) بغداد کے کتب خانہ "خزانۃ سابور" کے بیان میں ایک لڑکی توفیق کا نام آتا ہے جو بطور مناول کام کرتی تھی۔(۶)

---

(۱) الفہرست ص ۳۲ (۲) اسلامک کلچر ج ۹ ۱۹۳۵ء ص ۱۳۸ (۳) اسلامک کلچر ج ۱۲ ۱۹۳۸ء ص ۱۶۸ (۴) ابن خلکان ج ۱، ص ۲۷ (۵) الخطط ج ۱، ص ۴۰۸ (۶) رسالۃ الغفران از العلاء المعری، ص ۳۷

مدرستہ المستنصریہ کے کتب خانے میں " مناولون " کی آسامیوں پر اہل علم ملازم تھے جن میں سے چند نام یہ ہیں :

الجمالی ابراہیم بن حذیفہ جن کو کتب خانہ کے یوم افتتاح پر خلعت عطا ہوا تھا۔ محمد بن سعید اور اوران کے بیٹے عبدالرحیم جن کی سوانح عمریاں کتاب الدرالکامنۃ میں ملتی ہیں۔ (باقی)

حکمائے قدیم کا فلسفۂ اخلاق

مصنفہ بشیر احمد ڈار

عہدِ قدیم میں چین، ایران، مصر اور یونان کی تہذیبوں نے حیرت انگیز ترقی کرلی تھی اور یہاں کے مفکروں نے جو افکار و نظریات پیش کیے انہی کی بنیاد پر جدید افکار کی عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی ہے اور اس کتاب میں کون فیوشس، گوتم بدھ، زرتشت، مانی، سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے عظیم مفکروں کے اخلاقی نظریات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۶ روپے

سرگزشتِ غزالی

مترجمہ محمد حنیف ندوی

امام غزالی کی " المنقذ " کا اردو ترجمہ جس میں انھوں نے اپنے فکری و نظری انقلاب کی دلچسپ داستان بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح انھوں نے جبہ و عبا اور مسند و دستار کی زندگی چھوڑ کر گلیم و فقر کی روش اختیار کی اور تصوف کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ قیمت ۳ روپے

ملنے کا پتہ : سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور